© rasailojaraid.com

تو اس کے لئے ہماری حکومت رکاوٹیں پیدا کر دیتی ہے۔ اس پر انتولے صاحب نے کہا کہ کوئی ایسی مثال ہے۔ میں نے کہا۔ جی میرے بیٹے کا داخلہ مانچسٹر یونیورسٹی میں ہو گیا اور دو سال تک میں نے کوشش کی لیکن کبھی ریزرو بینک مانع ہو جاتا تھا کبھی وزارت تعلیم کی طرف سے اجازت نہیں ملتی تھی۔ انتولے صاحب میری اس بات کو سن کر مجھے ساتھ لے کر اپنی کار میں بٹھا کر اندرا جی کی کوٹھی لے گئے اور مجھ سے راستے میں فرمانے لگے کانگریس کو آپ جیسے مسلمانوں کی ضرورت ہے مگر جب ہم اندرا جی کی کوٹھی پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ اندرا جی تشریف نہیں رکھتیں مگر پھر بھی انتولے صاحب نے مجھے نہیں چھوڑا اور پھر وہ مجھے ہوم منسٹر صاحب کے پاس لے گئے ان سے میرا تعارف کرایا اور میں نے انھیں اپنے بیٹے کے مزید تعلیم حاصل نہ کرنے کی روداد سنائی اور انھوں نے اپنے اسٹینو کو بلا کر نوٹ کرائی اور پھر انتولے صاحب سے کہا کہ یہ معاملہ وزارت تعلیم کا ہے۔ بات آئی گئی ہوئی۔

اک بار رمضان المبارک میں مفتی صاحب سے ملا۔ میرا روزہ تھا۔ فرمانے لگے، روزہ میرے ساتھ کھولنا مجھے مکان پر بلایا افطار کے بعد ان کا یہ اصرار تھا کہ کھانا کھالوں مگر میری ٹرین کا ٹائم ہو چکا تھا۔ مجھے علی گڑھ آنا تھا۔ میں نے معذرت کی مگر مفتی صاحب کو میرا بغیر کھانا کھائے چلے آنے کا افسوس تھا مگر مجھ پر روزہ کھولنے اور مفتی صاحب کی قربت کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ میں نے دہلی سے لے کر علی گڑھ تک اُس دن ایک نظم نعمہ لا الہ الا اللہ کے تحت کہدی۔ وہ نظم میں آج برہان کے اس خصوصی نمبر میں پیش کر رہا ہوں۔

مفتی صاحب پر اعظم گڑھ میں فالج کا اثر ہوا۔ لکھنؤ کے بلرام پور ہسپتال میں رہے پھر دہلی آگئے، میں انھیں کئی بار مکان پر دیکھنے گیا۔ میں جب بھی گیا اتفاق سے یا تو وہ سوتے ملے یا ان کے صاحبزادے نے بتایا کہ اس وقت کمزوری کے باعث غنودگی ہے لیکن ایک بار ایسا ہوا کہ مفتی صاحب جاگ رہے تھے۔ جب انھیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میری اطلاع ہوئی تو فوراً اندر بلایا اور سب سے پہلے شکایت یہ کی کہ میں نے کئی بار تمھیں یاد کیا۔ تم مجھے دیکھنے نہیں آئے، میں نے کہا قبلہ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں آپ کو دیکھنے نہ آؤں۔ کئی بار حاضر ہوا مگر ہر بار معلوم ہوا کہ آپ سو رہے ہیں اس بات کو سنکر آپ اپنے صاحبزادے پر خفا ہو گئے اور ان کو بتایا کہ تم نے مجھے اُٹھا کیوں نہیں دیا اور انھیں بٹھایا کیوں نہیں۔ یہ میرے عزیز ہیں۔ پھر جب کچھ غصہ کم ہوا تو مجھ سے خیریت دریافت کی۔ قاری رضوان مرحوم صدر شعبۂ دینیات کے سلسلے میں پوچھتے رہے۔

مفتی صاحب کے انتقال سے علمی اور مسلم سیاسی حلقوں میں تو بلا شبہ اک بڑا خلا ہو گیا۔ مگر ہم جیسے گمراہ لوگوں کو راہ بتانے والا بھی اب کوئی نہیں رہا۔ اب تو یہی کہہ سکتے ہیں کہ ع

"اب انھیں ڈھونڈیں چراغِ رُخِ زیبا لے کر"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لا الٰہ الا اللہ

"میں یہ نظم حضرت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کی روح کی نذر اس لئے کر رہا ہوں کہ میرے ذہن میں اس کے کہنے کا خیال مفتی صاحب کے ساتھ روزہ کھولنے کے بعد ہوا۔

فوق کریمی

زمیں سے تا بہ فلک لا الٰہ الا اللہ — فلک سے تا بہ سمک لا الٰہ الا اللہ
ترے جمال سے رخشندہ تیرگی شب کی — سحر میں تیری جھلک لا الٰہ الا اللہ
طیور صبح کے نغموں میں ہے تری آواز — کلی کلی کی چٹک لا الٰہ الا اللہ
ہیں کوہ و دشت سمندر سبھی تیرے ملح سرا — ہر ایک سو ہے کھنک لا الٰہ الا اللہ
نظر نظر میں سرور و نشاط کا عالم — نفس نفس میں مہک لا الٰہ الا اللہ
ہے جس کے جام میں صہبائے حدتِ عرفاں — کہاں پھر اس کی جھلک لا الٰہ الا اللہ
تمام جلوۂ عالم تمام حسنِ بشر — دل و نظر کی چمک لا الٰہ الا اللہ
فسونِ حسنِ بتاں ہے طلسم ہوش و نظر — وہ کفر کفر ہے ثشنک لا الٰہ الا اللہ
جہاں بھی اہل حرم نے تجھے پکارا ہے — وہیں پہ آئی کمک لا الٰہ الا اللہ
ندائے شب سے ہیں پیدا درود کے نغمے — خموشیوں میں چھنک لا الٰہ الا اللہ

مٹا سکے گی نہ اُسے فوق گردشِ دوراں
ہے جس کے دل میں کسک لا الٰہ الا اللہ

(ڈاکٹر فوق کریمی علیگ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفتی صاحبؒ

حکیم محمد مختار اصلاحی
(اصلاحی دواخانہ، محمد علی روڈ، بمبئی)

اپنے اس دیس میں بہت سے مفتی موجود ہیں نہایت قابل اور سرگرم عمل بھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اِدھر کئی برسوں سے اس مختصر سے نام پر مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب مرحوم ہی کا قبضہ تھا۔ ان کے اس مختصر سے عوامی نام میں کیسی عظمت، کتنا خلوص اور کس قدر مٹھاس بھری ہوئی تھی اس کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

بلاشبہ تقسیم ملک کے بعد مفتی صاحب مسلمانوں کے لیئے ایک بہت بڑی ڈھارس تھے۔ مسلم پرسنل لا کا مسئلہ ہو یا ان کی جان و مال کی حفاظت کا، تعلیمی مسائل ہوں یا اقتصادی الجھنیں، ہر ایک کے لئے ان کی مخلصانہ خدمات اور سرفروشانہ جدوجہد ہمہ وقت حاضر رہا کرتیں۔

مرحوم نے ۸۴ برس کی عمر پائی اِدھر قریب ڈیڑھ سال سے وہ صاحب فراش تھے۔ علالت کے ان دنوں کو چھوڑ کر اس پیرانہ سالی میں بھی وہ ملک و ملت کی خدمت کے لیئے جوانوں سے زیادہ عزم و ہمّت رکھتے تھے۔ ان کے معالجین کا ہمیشہ یہ مشورہ ہوتا کہ ان کی عمر کا تقاضا ہے کہ اب وہ زیادہ بھاگ دوڑ نہ کریں لیکن بڑی سنجیدگی سے فرماتے: "میاں! جب گھر میں آگ لگی ہو تو اس حالت میں چین سے بیٹھنا کیوں کر ممکن ہے؟"

مفتی صاحب سے یوں تو میں ایک عرصہ سے واقف تھا لیکن اِدھر دو تین برسوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے علاج و معالجہ کے سلسلہ میں ان سے قریب رہا۔ بمبئی میں جب بھی آنا ہوتا فون سے اطلاع دیتے اور وقت مقررہ پر اصلاحی دواخانہ میں تشریف لاتے۔ میں ان کا بغور معائنہ کرتا اور مناسب دوائیں بھی تجویز کرتا۔ جب دوبارہ رونق افروز ہوتے تو تشخیص و تجویز کی ستائش کر کے حوصلہ افزائی فرماتے۔ میرا بھی اکثر دلی جانا ہوتا تو چاہے پروگرام کتنا ہی مختصر ہوتا مفتی صاحب سے ملنا ضروری تھا۔ اور جب بھی ان سے مل کر آتا ایسا محسوس ہوتا کہ میں نے اپنے ہی گھر کے کسی بزرگ سے ملاقات کی ہے' وہی سادگی، وہی بے تکلفی اور حد درجہ شفقت اور محبت بھی۔

مفتی صاحب کی شخصیت جامع صفات تھی وہ ایک علمی و دینی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ خود حافظِ قرآن، جید عالم، بلند پایہ مفتی، بہترین خطیب و مقرر، اچھے منتظم، اونچے مدبر و مفکر، جنگ آزادی کے مجاہد، سیاسی رہنما اور اپنی ذات سے خود ایک انجمن تھے۔ ان کی جن خوبیوں نے مجھے خاص طور سے متاثر کیا وہ ان کی شرافت، وسعت قلبی معاملہ فہمی، دوربینی، صلح پسندی اور وضع داری تھی۔ غصے کی حالت میں بھی وہ کبھی آپے سے باہر نہ ہوتے اور نہ جذبات کے دھارے میں بہہ کر کبھی کوئی فیصلہ کرتے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے ایک رکن کی حیثیت سے میں اس کے اکثر جلسوں میں شریک ہوتا رہا۔ بارہا یہ دیکھنے میں آیا کہ اہم مسائل میں مفتی صاحب کی جچی تلی رائے کو بڑی اہمیت اور وقعت حاصل ہوتی۔

مفتی صاحب نے اپنی اس طویل زندگی میں ہر طرح کے نشیب و فراز دیکھے۔ وہ بدترین دن بھی دیکھا جب تقسیم ملک کے وقت خود ان کی پیاری دلی خون میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ روز سیاہ بھی ان کی نظروں سے گذرا جب ایمرجنسی کے دوران ان کے گھر کے قریب ہی زبردست تباہی مچی ہوئی تھی۔ آخر وقت میں جمعیۃ العلماء کی اندرونی چپقلش اور دیوبند کے المیہ سے وہ بہت زیادہ کبیدہ خاطر تھے۔ میں نے دیکھا جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی ان کے سامنے جمعیۃ یا دیوبند کے سانحہ کا ذکر کرتا تو اس کے جواب میں صرف ایک لمبی آہِ سرد کھینچتے جس سے ان کے دل کے گہرے گھاؤ اور ان کی اندرونی کرب کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا تھا۔ اس کا زیادہ امکان ہے کہ مسلسل صبر وضبط کی وجہ سے ان کے اعصاب پر جو بڑا اثر پڑا، اس کا نیتجہ فالج کی صورت میں ظاہر ہوا ہو۔

مفتی صاحب کی کمزوری یہ تھی کہ اپنی انا اور اقتدار کی خاطر وہ کبھی ملک وملت کے مفاد کو داؤ پر لگانا پسند نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کھُل کھیلنے والوں اور سیاسی وذاتی مفاد رکھنے والوں کے مقابل میں ہمیشہ پیچھے ہی رہے۔ لیکن ملک میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہ تھی جو اس کمزوری کو جانتے ہوئے بھی انھیں بڑی قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

اسلام اور مستشرقین پر جو عظیم الشان بین الاقوامی سیمینار دار المصنفین اعظم گڈھ میں ۲۱، ۲۲، ۲۳ فروری ۱۹۸۲ء میں منعقد ہوا تھا۔ مجھے بھی اس میں شرکت کا فخر حاصل ہوا تھا۔ مفتی صاحب نے بھی اس کی ایک نشست کی صدارت فرمائی، اس کے بعد ہی اچانک طبیعت ناساز ہوگئی، مجھے یاد فرمایا تو میں ان کی جائے قیام پر حاضر ہوا۔ اعصابی کمزوری حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی، میں نے عرض کیا کہ چند دن اعظم گڈھ ہی میں قیام و آرام فرما کر مکمل علاج کرلیں پھر سفر اختیار کریں تو بہتر ہوگا، دوسرے دن طبیعت کچھ سنبھل گئی تو سفر کا ارادہ کرلیا۔ بمبئی آیا تو معلوم ہوا کہ دوران سفر ہی فالج کا حملہ ہوگیا اور اب دلی ہی میں کسی ڈاکٹر کے زیر علاج ہیں۔ لمبی عمر میں فالج کا شدید حملہ ہو تو اکثر علاج کامیاب نہیں ہوتا۔ مفتی صاحب کے علاج وتیمار داری میں کوئی کوتاہی نہیں ہوئی لیکن فالج کا یہ حملہ جان لیوا ثابت ہوا اور ساری کوششیں وتدبیریں بے اثر رہیں۔

طویل علالت کے دوران جب کبھی دلی جانا ہوتا مفتی صاحب سے ضرور ملتا۔ بہت خوش ہوتے اور دیر تک بیٹھائے رکھتے۔ مرحوم سے میری آخری ملاقات ان کے دولتکدہ پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی پر انتقال سے کچھ دنوں پہلے ہوئی تھی۔ کمزور زیادہ تھے۔ لیکن ہوش و حواس درست تھے۔ ایک بزرگ کی اس نصیحت کے پیش نظر کہ "مریض کے پاس دیر تک بیٹھنا مناسب نہیں" اجازت چاہی تو ہاتھ پکڑ لیا اور دیر تک بیٹھائے رہے۔ نحیف آواز میں فرمانے لگے۔ کیا معلوم کہ پھر ملاقات کب لکھی ہے؟ اور لکھی بھی ہے یا نہیں؟ بچوں کی خیریت پوچھی، بمبئی کے چند بزرگوں اور دوستوں کا حال معلوم کیا اور اپنی حالت تفصیل سے بتاتے رہے پھر مخلصانہ دعاؤں کے ساتھ اجازت ملی، ان کی بات صحیح ثابت ہوئی۔ نہیں معلوم تھا کہ اس پیکرِ شفقت و شرافت کی یہ آخری ملاقات ہے۔

ندوۃ المصنفین اور ماہنامہ برہان کے ذریعہ انھوں نے علمِ دین اور ادب و تاریخ کی جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں انھیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اور کچھ بھی نہ کرتے تو تنہا ان کا یہی کارنامہ ان کو زندہ جاوید بنانے کے لئے کافی تھا۔

علامہ اقبال نے اپنے دو شعروں میں مردِ مومن کی جو تصویر کھینچی ہے وہ مفتی صاحب پر حرف بحرف صادق آتی ہے ؎

اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو منور کرے اور انھیں اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عنایت فرمائے۔ (آمین)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کچھ ماہنامہ "برہان" کے متعلق

اس خاص شمارہ کیلئے رفیق ندوۃ المصنفین مولوی عبد اللہ طارق صاحب کا ایک طویل مضمون اتنی تاخیر سے ہمیں موصول ہوا کہ ہم نمبر کی مقررہ ضخامت پوری کر چکے تھے۔ مضمون کا بیشتر ندوۃ المصنفین سے متعلق تھا جو کم و بیش ایک دوسرے مقالے میں آچکا تھا البتہ اس مضمون کا دوسرا حصہ جو ماہنامہ برہان سے متعلق ہے ہم شریک اشاعت کر رہے ہیں

ماہنامہ برہان ندوۃ المصنفین کا ترجمان ماہنامہ "برہان" ادارے کے سن تاسیس ۱۹۳۸ء سے جاری ہے۔ اس کا پہلا شمارہ جولائی ۱۹۳۸ء جمادی الاولیٰ میں نکلا تھا اور آج تک پابندی سے نکل رہا ہے۔ آج ملک میں اردو رسائل میں اس کے ساتھ کے رسالوں میں دو ایک کو چھوڑ کر شاید کوئی بھی اس کا ہم عمر نہیں ہے اور پابندی وقت کے بارے میں مولانا سید مناظر احسن گیلانی کا ایک مقولہ نقل کر دینا کافی ہوگا جو میں نے مولانا ظفر احمد خاں صاحب مرحوم سے سنا تھا۔ مولانا گیلانی فنا فی العلم اور نیم مجذوبانہ حال میں رہا کرتے تو وہ فرماتے تھے کہ "مجھے پورے مہینے یہ یاد نہیں رہتا کہ آج کونسی تاریخ ہے، مہینے میں صرف ایک بار تاریخ یاد آتی ہے، جس دن ڈاکیہ 'برہان' میرے ہاتھ میں لاکر دیتا ہے تو وہ ہمیشہ انگریزی مہینے کی سترہ تاریخ ہوتی ہے۔"

مضامین کے سلسلے میں ہمیشہ اس میں یہ التزام کیا گیا کہ ہر مضمون نیا اور تازہ ہو جو کہیں مضمون کی شکل میں یا کسی کتاب میں چھپا نہ ہو، حتیٰ کہ جو مقالات کسی سمینار وغیرہ میں پڑھے جا چکے ہوں یا جو تقریر ریڈیو پر سنائی جا چکی ہو وہ بھی شائع کرنا پسند نہیں کیا جاتا تھا۔ کبھی اگر ایک دو تقریریں یا کوئی مقالہ ایسا چھاپنا پڑا جو عموماً اچانک وقتی ضرورت کے تحت ہوتا تھا تو اس کی معذرت شائع کی جاتی تھی۔

کوئی اِکّا دُکّا مضمون کسی مضمون نگار کی حرکت سے اگر ذمہ داران کی لاعلمی میں چھپ گیا ہو تو وہ اس کلیے سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ کبھی کبھی ہوا بھی ہے، اس کا ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لطیفہ بھی موقع کی مناسبت سے لائق ذکر ہے۔

مولانا سعید احمد اکبرآبادی مرحوم سے نیازمندی اور تعلق تو ۱۹۷۰ء سے ان کی وفات تک برابر ہی رہا مگر ۱۹۷۴ء سے ۱۹۷۷ء تک چار سال تک ایسا قرب رہا کہ گیارہ بجے دوپہر کو اور تین بجے سہ پہر چائے پر روزانہ دوبار ہم نشینی کا موقع ملتا تھا اور یہ نشست کم و بیش آدھے گھنٹے کی ہوتی تھی۔ اس میں طرح طرح کے ایک سے ایک موضوعات زیر بحث آیا کرتے تھے۔ ایک روز مولانا مرحوم نے مجھے مخاطب کرکے بڑے مسرت کے لہجے میں فرمایا کہ "ارے بھئی مولانا! یہ ایک بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں تحقیق وتالیف اور مضمون نگاری کا علمی معیار نہایت بلند ہوتا جارہا ہے، لوگ نہایت تحقیقی مقالات لکھنے لگے ہیں۔"

میں نے عرض کیا کہ اس میں شک نہیں مگر جناب کے پیش نظر خصوصیت سے اس وقت کونسا مضمون ہے؟ فرمایا "وہ گزشتہ شمارے میں آپ نے فلاں مضمون نہیں دیکھا؟ کس قدر تحقیقات سے لبریز ہے اور بال کی کھال نکال رکھی ہے۔"

میں نے عرض کیا کہ "حضور! میں نے بھی جب اسے دیکھا تھا تو یہی تاثر ہوا تھا مگر پھر کھٹک ہوئی کہ یہ بحث تو کہیں نظر سے گزر چکی ہے چنانچہ ادارے ہی کی شائع کردہ فلاں کتاب نکال کر دیکھی تو یہ مضمون من و عن اسی سے نقل ہے، میں نے کتاب سامنے رکھ کر ملا کر دیکھا ہے کوئی فرق نہیں ہے۔"

مولانا حیران ہوگئے اور فرمایا کہ "میں تو اب کے نظرات میں اپنی اس مسرت کا اظہار کرنے والا تھا اور شاید میں اس مضمون کا ذکر بھی کردیتا اچھا ہوا آپ نے یہ واضح کردیا۔"

ایسے علمی سرقوں سے تو دنیا کبھی خالی نہیں ہوگی خود میرا ایک مضمون حافظ زکی الدین منذری پر "برہان" میں چھپا تھا اور ایک اعلیٰ درجے کے پرچے میں

© rasailojaraid.com